© rasailojaraid.com

حاصل ہوجاتی ہیں، وہی آگے بڑھا کرتی ہے۔ دماغی ترقی طبیعی قوتوں پر انسان کی دسترس بڑھاتی ہے اور ان قوتوں کی مدد سے جماعتیں انسانی آبادیوں کو مسخر کرتی ہیں۔ اس تسخیر اور نفاذ و استحکام اقتدار میں زیادہ سے زیادہ جو تیسری قوت استعمال ہوتی ہے وہ سیاسی ساحری کا فن ہے جس کے بغیر "قاہری" کوئی بڑا نتیجہ پیدا نہیں کرسکتی۔ سو مغربی تصور کے مطابق اجتماعی قوت کے اقانیم ثلاثہ یہ ہوئے:۔

(ا) علوم طبیعی (ب)۔ قدرتی وسائل (ج)۔ سیاسی ساحری کا فن

مگر یہ "قوت اجتماعی" کا نامکمل تصور ہے۔ علوم طبیعی کا نشوو ارتقا اور قدرتی وسائل سے استفادہ کی صلاحیتیں اور سیاسی حکمت تو افراد انسانی کے دفاعی کرشمے ہیں اور ان ہی کے اجتماع و تعاون سے اجتماعی قوت کا ظہور ہوتا ہے۔ اب سوچیے کہ یہ اجتماع و تعاون کیسے نمودار ہوتا ہے اور اس کا دائرہ کس طرح پھیلتا ہے؟

فرض کیجیے کہ آپ ایک دیس میں کھڑے ہوکر لوگوں کو یہ دعوت دیتے ہیں کہ آؤ اپنی اپنی صلاحیتوں اور استعدادوں کو ایک مرکز پر جمع کردو۔ ماہرین علوم طبیعی اپنی اپنی تحقیقاتیں اور ایجادیں پیش کردیں، علمائے سیاست اپنے اپنے "جادوؤں" کا مظاہرہ کریں، دولت و سرمایہ کے مالک اپنے مال ڈھیر کردیں، مزدور اور دہقان اپنی محنت کی متاع بیش بہا لے کر حاضر ہوجائیں:۔۔۔ کیا یہ آواز سنتے ہی دنیا تعمیل کرے گی؟ نہیں، ہرگز نہیں! وہ آپ سے دریافت کرے گی کہ ہم کاہے کو یہ دعوت مان لیں؟ چنانچہ آپ کو مقصد بتانا پڑے گا کہ آپ ایک اجتماعی ہیئت کی تشکیل کرکے سیاسی تمکن حاصل کرنا چاہتے ہیں مگر آپ کا سیاسی تمکن فی نفسہٖ کسی کا مقصود نہیں ہوسکتا۔ آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ اس تمکن کی غایت کیا ہے؟ چنانچہ آپ بتاتے ہیں کہ ہمارا مقصد نوع انسانی یا کسی ایک نسل و وطن کے فرزندوں کی فلاح و بہبود ہے۔ لیکن صرف اتنی توضیح بھی لوگوں کو آپ کے گرد جمع نہیں کرسکتی۔ آپ کو یہ بھی بتانا پڑے گا کہ فلاح و بہبود سے آپ کی مراد کیا ہے اور وہ کون سے اصولِ فکر و عمل ہیں جو جملہ بنی آدم یا آپ کی ہم نسل و ہم وطن برادری کی فلاح و بہبود کے ضامن ہوسکتے ہیں۔ ان سارے پہلوؤں سے اگر آپ خواص و عوام کی "رضا" حاصل کرسکے تو وہ اپنی ساری صلاحیتوں اور ساری مادی قوتوں کے ساتھ آپ کے گرد سمٹ آئیں گے۔ پس مادی قوتیں جماعتی نظام میں خارجی حیثیت رکھتی ہیں اور جماعت کی داخلی قوت وہ اصول و مقاصد ہیں جو انسانی رضا کو اپنی طرف جذب کرتے ہیں۔ پس جماعتی قوت کا شجرہ نسب مختصراً یہ قرار پائے گا:۔

اصول[1] و مقاصد ← انسانی آبادی[2] کی رضا ← مادی قوت[3] ← تمکن فی الارض[4]

انسانی رضا حاصل کرسکنے والے اصول و مقاصد کو جماعت کی ہیئت سے الگ کر دیجیے تو پھر آپ کے پاس نہ مادی قوت فراہم ہوسکے گی اور نہ تمکن فی الارض کا کوئی امکان رہے گا، بلکہ خود "جماعت" نام کی کوئی چیز بھی باقی نہ رہے گی، صرف منتشر افراد ہوں گے جن کے پاس ہر طرح کی صلاحیتیں ہوں گی مگر وہ کسی کام نہ آسکیں گی! پس اصول و مقاصد جماعتوں کے لیے اصل قوت ہیں جن سے انسانی رضا ظہور کرتی ہے۔

اصول و مقاصد کی جاذبیت آگے چلنے سے پہلے ہمیں اصول و مقاصد کی جاذبیت کا راز ڈھونڈنا ہے، کیونکہ اس کے محور پر ہماری ساری بحث کا پہیہ گھومتا ہے۔ تو اب غور فرمائیے کہ آپ اردگرد کی دنیا کو اگر اس مقصد کی طرف بلائیں کہ لوگو اٹھو اور "زید" کی فلاح و بہبود میں اپنی ساری مساعی صرف کرنے کے لیے جماعت بندی کرو تو زید کے سوا شاید کوئی اور اس پر لبیک کہنے والا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

حقیقیہ کے معدوم ہوتے چلے جانا اور امامتِ حکمیہ کو ابھرتے چلے آنا۔ اس وجہ سے ہوتا ہے کہ "سیاستِ ایمانی" میں ...... جتنا جتنا دخل سیاستِ سلطانی کا بڑھتا جاتا ہے، اسی تناسب سے امامتِ حکمیہ غالب ہوتی چلی جاتی ہے۔

اس امر کو سمجھنے کے لیے سیاستِ ایمانی کو آبِ شیریں اور سیاستِ سلطانی کو آبِ شور فرض کر لو۔ ظاہر ہے کہ آبِ شور کی جتنی مقدار آبِ شیریں میں ملائی جائے گی، اسی قدر آبِ شیریں کی لطافت زائل ہوگی اور آبِ شور کی تلخی ابھرے گی۔ بالفاظِ دیگر دونوں پانیوں کی مقدار کے تناسب کے ساتھ ساتھ لطافت و تلخی کے مدارج بدلتے جائیں گے۔ بالکل اسی طرح سیاستِ ایمانی و سیاستِ سلطانی کی آمیزش مختلف تناسبوں اور مختلف درجوں کی ہو سکتی ہے اور اس کے تناسبوں اور درجوں کے بدلنے سے خلافتِ راشدہ کے مدارج میں فرق آ جائے گا۔ اسی معنی کی تفصیل کے لیے ہم آبِ شیریں اور آبِ شور کی آمیزش کو حسبِ ذیل چار موٹے موٹے درجوں میں رکھتے ہیں:

(۱) پہلی صورت تو یہ ہو سکتی ہے کہ صاف اور ٹھنڈے اور میٹھے پانی کی کثیر مقدار میں ایک ذرا سا کھاری پانی مل جائے۔ اس صورت میں ذائقہ میں کوئی خاص تلخی اور تیزی محسوس نہیں ہوگی، بس ذرا پانی کی نفاست و لطافت میں نقص آ جائے گا۔ ایسے پانی کو لطیف طبع اور نازک مزاج لوگ تو پسند نہ کریں گے، لیکن پیاسے اس سے سیراب ہو سکیں گے، نباتات کو اس سے شادابی رہے گی، ہر طرح کے کھانے اس سے پک سکیں گے اور مختلف اقسام کے پارچہ جات کی دھلائی اس سے ہو سکے گی۔ ان وجوہ سے یہ پانی حقیقتہً آبِ خالص نہ ہوتے ہوئے بھی آثار کے لحاظ سے آبِ خالص سے مشابہ اور فوائد کے لحاظ سے اس کی برابری کرتا ہے۔

(۲) دوسرے درجہ کی آمیزش ایسی ہوگی کہ پانی کے ذائقہ میں تیزی و تلخی خوب اچھی طرح نمایاں ہو اور ہر کس و ناکس کے لیے اس کا پینا ناگوار ہو۔ اسے چکھتے ہی کراہت ہونے لگے۔ ایسے پانی سے پیاس کی جلن کم ہونے کی جگہ اور زیادہ بھڑکے گی، اور دوسرے فوائد میں بھی فرق آ جائے گا۔ یعنی جو کھانا اس میں پکے گا، اسے کھاتے ہوئے قدرے تلخی محسوس ہوگی۔ کپڑے اس سے دھلیں گے تو ان سے میل کچیل پوری طرح زائل نہ ہوگا۔ اسی طرح اس سے سیراب ہونے والے پودوں کی سرسبزی میں بھی نکھار نہ آئے گا۔

(۳) تیسرے درجہ کے مرکب میں میٹھے اور کھاری پانی کا تناسب ایسا ہوگا کہ کھاری پانی کی تلخی و حدت خوب زور سے نمایاں ہوگی اور مزہ اتنا بگڑ جائے گا کہ اس مرکب پانی کو بول چال میں آبِ شور ہی کہا جائے گا۔ اسے اگرچہ ضرورت پوری کرنے کے لیے استعمال کیا جائے گا، لیکن جس حد تک ممکن ہوگا، اس سے اجتناب بھی کریں گے۔ یعنی کھدر اور گاڑھے کو اس سے دھو لیں گے مگر دیبا و حریر اور پشمینہ کے لباس نہ دھوئیں گے۔ ادنیٰ درجہ کی نباتات مثلاً تمباکو وغیرہ کی فصل کو اس سے سیراب کر لیں گے مگر پھل پھول لانے والے نازک پودوں کی ایسے پانی سے پرورش نہ کی جائے گی۔

(۴) چوتھے درجہ کے مرکب میں میٹھے پانی کی مقدار اتنی کم اور کھاری پانی کی مقدار اتنی زیادہ ہوگی کہ شیرینی و لطافت

لہ ... مصدر ... بشکل ... و ... ۔ سہ سیاستِ ایمانی کی ضد، یعنی ریاست کا نظم چلانے کے لیے خود ساختہ ... اور ... عملی حکمت سیاسی کا استعمال کرنا ... بہت ... موقع ملتا ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا کوئی شائبہ قطعاً اس میں محسوس نہ کیا جا سکے گا، یہاں تک کہ اس سے پانی کا کوئی فائدہ بھی حاصل نہ ہوگا اور اگر کوئی شخص مجبوری کی حالت میں اسے استعمال کرے گا بھی تو اس سے ہرگز حاجت پوری نہ ہوگی۔ مثلاً اگر وہ پیاس بجھانے کے لیے اسے پئے تو پیاس کی آگ دگنی بھڑکے گی، اگر درختوں کو یہ پانی دیا جائے گا تو وہ مرجھا کے رہ جائیں گے اور اگر اس میں کھانا پکایا جائے گا تو وہ ناپختہ اور بدمزہ رہے گا، بلکہ مضر صحت بھی! پھر کیسے ان باتوں کے ہوتے ہوئے اس مرکب پانی کو کسی درجہ میں بھی آبِ شیریں کہا جا سکتا ہے؟ — اسے آبِ شیریں تو کیا کہیں گے، اس کی بڑی سے بڑی مقدار کے ہوتے ہوئے پانی کے ضرورت مندوں کو کہا جا سکتا ہے کہ یہاں پانی بالکل ہے ہی نہیں! دشتِ بے آب میں ایسے پانی سے اگر کسی مسافر کا کوزہ لبالب بھرا ہوا ہو تو بھی وہ اپنے آپ کو تشنگی کی موت مرنے سے نہیں بچا سکتا۔

اب تمثیلی انداز بیان کو چھوڑ کر ہم اصل مدعا کی طرف متوجہ ہوتے ہیں اور امامتِ حکمیہ کے مختلف درجوں پر بحث شروع کرتے ہیں۔ سب سے پہلے یہ حقیقت سمجھ لینی چاہیے کہ اس خوفناک بیماری کی جڑ یا اس خاردار جھاڑی کا بیج فقط جذبۂ عبدیت کا زوال ہے۔[1]

خود "امام حقیقی" (خلیفۂ راشد) کی خاص حیثیت کی بنیاد جذبۂ عبودیت ہی ہوتا ہے، اور اسی جذبہ کے صدقے میں اس پر صفاتِ نبوت کا پرتو ڈالا جاتا ہے۔ اس کی ساری مساعی کا قبلۂ مقصود رضائے الٰہی ہوتا ہے جس کی طلب میں وہ اپنی ساری لذتوں کو قربان کر دیتا ہے۔ اس کی ساری چستیاں اور سرگرمیاں اپنے آقا و مولا کی خوشنودی کے لیے ہوتی ہیں اور وہ اپنے نفس کے تقاضوں سے بے پروا ہو جاتا ہے۔ اتباعِ ہوا و ہوس کا اس کے ہاں کوئی سراغ نہیں ملتا۔ بس وہ حق و عدل کی راہ کو پوری استقامت سے طے کرتا ہے۔ اس کے قدم دوسری راہوں پر حرکت نہیں کر سکتے اور اس کی آنکھیں کسی دوسری منزلِ مقصود پر نہیں جم سکتیں۔ ماسوا اللہ کی ساری محبتوں کے جال توڑ کر وہ بارگاہِ حق تعالیٰ کی دہلیز پر ایسا بیٹھتا ہے کہ مر کر ہی اٹھتا ہے۔ اس کے بلند منصب کا احاطہ ان چند مقدس الفاظ سے ہو سکتا ہے:۔

مَنْ احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان۔ — جس نے اللہ کے لیے محبت کی اور اللہ کے لیے عداوت کی اور اللہ کے لیے دیا اور اللہ کے لیے روکا تو اس نے ایمان کی تکمیل کر لی۔

یا ان الفاظ سے:۔

مَنْ کَانَ اللہ و رسولہ احب الیہ مما سواھما — وہ جس کے لیے اللہ اور اس کا رسول محبوب تر ہیں، اس سے جو کچھ ان کے سوا ہے

ایسی ہستی جب منصبِ خلافت پر متمکن ہوتی ہے تو سیاسی میدان میں اس کے مدنظر فقط خدا کے بندوں کی اصلاح کا کام ہوتا ہے اور نیابتِ رسول اللہ کا حق ادا کرنے کی فکر ہوتی ہے۔ اپنے ذاتی فائدوں کا لالچ اس کے دل کو رام نہیں کر سکتا ہے، نہ نقصانات کا اندیشہ اس کی ہمت توڑ سکتا ہے۔ اس کے نزدیک تو اطاعت زبانی کے ساتھ

---

[1] یعنی جب اربابِ حکومت میں خدا کی آقائی اور اس کے سامنے اپنی عاجزانہ غلامی کا احساس کمزور ہونے لگتا ہے تو خلافتِ الٰہی متغیر ہو کر امامتِ حکمیہ بننے لگتی ہے۔ (ن۔ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوائے نفسانی کا شریک ہو جانا شرک کا درجہ رکھتا ہے[1] اور رضائے حق کے سوا کسی اور مقصود کی آرزو کو وہ دل کے لیے غلط تصور کرتا ہے۔ بندگان الٰہی کی صحیح تربیت کے سوا نہ ظاہراً اس کا کوئی اور مدعا ہوتا ہے، نہ اس کے دل کے گوشوں میں کوئی اور تمنا چھپی ہوئی ہوتی ہے! اس وجہ سے کوئی ایسی حرکت اس سے صادر نہیں ہوتی جو سیاست ایمانی سے انحراف کرنے اور سیاستِ سلطانی کی طرف جھک جانے کا ذریعہ بن جائے، صادر ہونا تو دور رہا، ایسی مکروہ حرکت کا خیال تک اس کے دل میں نہیں گذرتا۔ خلاصہ مطلب یہ کہ فریب نفس کی یہ مجال نہیں کہ اسے صراط مستقیم سے ہٹا سکے۔

بخلاف اس کے "امام حکمی" نہ نفس کے تقاضوں سے پوری طرح بے نیاز ہوتا ہے، نہ ماسوا اللہ کی گرفت سے آزاد — چنانچہ مال و منال اور جاہ و جلال کی حرص، معاصرین پر تفوق کی اور اقوام و ممالک پر تسلط کی خواہش، عزیز و دوستوں کی پاسداری اور مخالف دشمنوں کی بدخواہی، لذت جسمانی اور خواہشات نفسانی کی غلامی، یہ سارے فتنے اس کے دل میں ابھرتے رہتے ہیں۔ بات دل ہی تک محدود نہیں رہتی بلکہ دل میں جو کچھ ہے، وہ امڈ کے باہر آتا ہے اور اس کی حرکات سے نفس پرستی کا صاف صاف اظہار ہونے لگتا ہے۔ اپنے ان ذاتی مقاصد کے لیے امام حکمی سیاست کی مشین سے خوب مدد لیتا ہے، اور نظام حکومت کو حکمت عملی سے کام لے کر اپنی نفسانیت کے ڈھب پر لے آتا ہے۔ اسی طرز سیاست کا نام ہے "سیاستِ سلطانی"! اگر ہم اس اصطلاح کی مجمل تعریف کرنا چاہیں تو اس کے لیے یہ الفاظ کافی ہوں گے:۔

> سیاسی اختیارات کو ذاتی فوائد حاصل کرنے اور ذاتی تکالیف دور کرنے میں استعمال کا نام "سیاست سلطانی ہے۔"[2]

یہ ذاتی لذات کی ہوس جب سیاست ایمانی میں دخیل ہو جاتی ہے تو خلافت راشدہ کا زوال شروع ہو جاتا ہے

---

[1] کس حقیقت نما انداز میں یہ بات کہی گئی ہے۔ کاش کہ اسے قارئین اچھی طرح ذہن نشین کر لیں۔ دین کی ساری منزلوں میں مسلمان کو اس کی فکر رہنی چاہیے کہ کہیں خدا کی حکومت کو، نظام جماعتِ اسلامی کو، یا دوسرے الٰہی اداروں کو چلاتے ہوئے وسیع یا محدود پیمانے پر جو نیابتی اقتدار اس کے سپرد کیا گیا ہے، اسے وہ شخصی و ذاتی انتفاع تو نہیں کر رہا۔ کہیں اس اقتدار کے بل پر کچھ آمدنی تو نہیں بڑھ رہی، کہیں دوسروں سے خدمت تو نہیں لی جا رہی، کہیں ہم چوما دیگرے نیست کا اعلان تو نہیں ہو رہا، وغیرہ۔ اگر ایسا ہے تو یہ خدا کی سب سے بڑی امانت یعنی نیابتی اقتدار میں خیانت ہے جس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں کیونکہ حکم و اقتدار کو خدا کیلیے خالص رکھنے کے بجائے جب اس میں اپنا حصہ بھی لگا لیا تو یہ گویا اس امر کا اعلان ہے کہ ہم بھی کچھ تھوڑے سے خدا ہیں۔

[2] دنیا کے "دار الامان" اور "دار السلام" بننے میں اگر کوئی چیز حائل ہے تو وہ یہی ہے کہ انسان انسان سے مختلف قوتوں کے ذریعہ ناجائز فائدے اٹھانا چاہتا ہے اور ان قوتوں میں سب سے بڑی قوت غالباً حکومت ہی کی ہے۔ اس ادارے کی گرفت زندگی کے ایک ایک کونے اور گوشے کو محیط ہوتی ہے۔ پس اسی کو شخصی اور گروہی نفع اندوزی کا قوی تر ذریعہ قرار دیا جاتا ہے۔ یہ سیاست سلطانی کہ نظام سیاسی کی باگ ڈور جو عوام الناس کی مشترکہ امانت رہی ہے بلکہ ان کو بھی اللہ کی طرف سے امانت کے طور پر ملی ہے، اسے ہاتھ میں لینے کے بعد کوئی شخص عوام الناس کے فائدے کے بجائے اپنی خواہشات کے ماتحت حرکت دے۔ یہ بندوں کی خداوندی اگر حکومت میں نمودار ہو یا عدالت میں، دکان میں یا کارخانہ میں، مدرسہ میں یا ہسپتال میں، شدید نفرت کے قابل ہے —— سور کے گوشت اور شراب اور زنا سے بھی زیادہ نفرت کے قابل۔ کیونکہ ایک دفعہ اسے اگر سوسائٹی کی نوک پلک میں جگہ مل جاتی تو پھر یہ دنیا راستہ خود بنا لیتی ہے، حتیٰ کہ سیل بن کر اسلام کے پورے نظام حق و عدل کو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اور سلطنتِ ظاہرہ ابھرنے لگتی ہے۔ مگر چونکہ یہ ہوس مختلف اشخاص میں کم و بیش ہو سکتی ہے، یعنی بعض اس کے زور کرنے سے دین و ایمان کے دائرہ سے باہر نکل کھڑے ہوتے ہیں، بعض صرف فسق و فجور کی حد تک پہنچ کے رک جاتے ہیں، بعض پر اس سے کم اثر ہوتا ہے، صرف اتنا کہ آرام طلب بنجاتے ہیں۔ پس سیاستِ ربانی میں ہوا و ہوس کی تیز کے حسب ذیل مختلف مراتب ہو سکتے ہیں:-

مرتبۂ اول:- امام لذاتِ نفس سے مغلوب تو ہو مگر اس کے ساتھ ظاہر شریعت کا پابند بھی رہے، یعنی فسق و فجور اور ظلم و جور پر نہ اترآئے۔ اس کی آرام طلبی شریعت کے اوامر و نواہی سے ظاہراً کوئی تعرض نہ کرے بلکہ وہ صرف گنجائشوں اور رخصتوں کی تلاش میں رہے اور ان سے پورا پورا فائدہ اٹھائے۔ اس صورت کو "سلطنتِ عادلہ" کہا جائے گا۔

مرتبۂ دوم:- امام پر نفسانیت کا اتنا غلبہ ہو کر وہ کبھی کبھی مطلب برآری کے لیے ظاہر شریعت کے حلقہ کو بھی پھاند جائے اور فاسقانہ بے باکیوں اور ظالمانہ دراز دستیوں کا مظاہرہ کر گذرے۔ مزید یہ کہ ان حرکات پر اس کی جبین عرقِ ندامت سے آلودہ نہ ہو اور دل توبہ کی طرف مائل نہ ہونے پائے۔ ایسے شخص کا نظامِ حکومت "سلطنتِ جابرہ" کہلائے گا۔

مرتبۂ سوم:- امام پر نفس پرستیوں کا غلبہ اتنا بڑھ جائے کہ اسے فسق اور عیاشی میں یکتائے روزگار بنا کے چھوڑے، وہ استکبار و استبداد کی جی کھول کر داد دے۔ دینِ حق اور سنتِ نبوی کے مقابلہ میں ظالمانہ اور جابرانہ قوانین گھڑ گھڑ کے لائے اور اپنے اس کرتوت کو ہنر و کمال سمجھ کر اس پر فخر کرے۔ ایسے حاکم کی حکومت کو ہم "سلطنتِ ضلالت" کا عنوان دیتے ہیں۔

مرتبۂ چہارم:- نفس پرست امیر خود ساختہ احکام و قوانین کو ضوابطِ شرعی پر ترجیح دے اور کتاب و سنت کی پیروی کا مضحکہ اڑائے، اس کی اہانت کرے اور اس پر طرح طرح کے اعتراضات اٹھائے۔ اپنے قوانین کے حق میں تو قصیدہ خوانی کرتا ہو لیکن شرعِ شریف کو محض لغویت اور ہرزہ گردی قرار دے۔ اس کے نزدیک بادشاہِ کائنات کے احکام اور نبی کریمؐ کے ارشادات (نعوذ باللہ) مزخرفات سے زیادہ وزن نہ رکھتے ہوں جن سے اس کے زعم کے مطابق صرف جہلا اور احمق فریب کھاتے ہیں۔ ایسی امارت الحاد و زندقہ کی عمارت کھڑی کرتی ہے اور ہم اسے اصطلاحاً "سلطنتِ کفر" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

اب امامتِ حکمیہ کی ان چار قسموں کی تفصیل و توضیح کی جاتی ہے۔

ا۔ سلطنتِ عادلہ

سلطانِ عادل سے ایک ایسا سیاسی امیر مراد ہے جو ترقیِ جاہ و جلال اور زیادتِ عزو اقبال کا طلبگار ہو، دوستوں آشناؤں میں ممتاز رہنا چاہے، شہروں اور علاقوں پر ذاتی تسلط رکھنے کا خواہشمند ہو، ملک فتح کرنے اور حکم چلانے کا تمنائی ہو، عوام و خواص کے درمیان اپنا تفوق قائم کرنے کا حریص ہو۔ پھر لشکر اور فوجیں جمع کرنے کا، خزانوں اور دفینوں کی کثرت کا اور اعزہ پروری اور دشمن کشی کا دلدادہ ہو۔ پھر اسے جسمانی لذات کی ایسی چاٹ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑی ہو کر پر شوکت محلوں اور دلربا چمن زاروں اور لذیذ کھانوں اور بھڑکیلے لباسوں اور تیز رو گھوڑوں اور چمکتے ہتھیاروں اور خوش رنگ پھلوں اور طرحدار معشوقوں اور سرود کے حلقوں اور شراب کی محفلوں اور بذلہ سنج رفیقوں کے پیچھے پڑا رہے۔ اس کی شدید خواہش یہ ہو کہ زندگی کا دامن کلفت و رنج کے داغوں سے پاک رہے اور فضا
اس خواہش کی گود میں ہوا و ہوس کے گوناگوں فتنے پل پل کے جوان ہوتے رہیں۔ اس کے نزدیک فتنوں کی خدمت گذاری ثمرۂ سلطنت ہے اور ان کی خاطر وہ ہر گلی کی خاک چھاننے کے لیے پا بہ راہ کھڑا ہوتا ہے۔ یہ سب کچھ ہوتا ہے ـــــ مگر ـــــ اس کے ساتھ ساتھ وہ کسی نہ کسی طرح وہ ظاہر شریعت کا احترام بھی ملحوظ رکھتا ہے، اور انتہائی پریشان روی کے باوجود قوانینِ کتاب و سنت کے دائرہ کو پھاندنے کی جرأت نہیں کرتا۔ یہ اس وجہ سے کہ شریعت کی ظاہری پابندی تک کو ختم کرا دینے کے لیے نفس امارہ کا جتنا زور ضروری ہے وہ اس کے اندر پیدا نہیں ہوتا۔ اب ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ (۱) شریعت کی پابندی کے باوجود امام عادل کو نفس کے تقاضے پورے کرنے کا موقع کیسے ملتا ہے۔

نظامِ قانونی میں رخنے یہ بات تو واضح ہے کہ بہت سے ایسے مالی (Finnancial) اور انتظامی (Executive) معاملات امام کی رائے پر چھوڑے گئے ہیں جن پر شرع شریف نے تصریح سے حکم نہیں لگایا ہے۔ ایسے مسائل میں وقت کا امام جو فیصلہ دے گا اسی کو شریعت قرار دیا جائے گا۔ مثلاً انتظامی معاملات میں سے ایک معاملہ تعزیر کی مقدار متعین کرنے کا ہے، یعنی جن جرائم کے لیے شریعت نے قطعی حد مقرر نہیں کی ہے، ان کے لیے سزا تجویز کرنا امام وقت کا کام ہے۔ چنانچہ فرض کیجیے کہ ایک ہی جرم مختلف اشخاص سے صادر ہوتا ہے اور یہ سب امام کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔ اب یہ کچھ ضروری نہیں ہے کہ امام ان سب کے لیے ایک ہی سزا تجویز کرے، بلکہ وہ مختار ہے کہ کسی کو قید کر دے کسی کو تازیانہ لگائے۔ کسی کے لیے تحقیر و تذلیل کی کوئی شکل تجویز کرے، کسی سے عہدہ چھین لینے کو مفید مطلب جانے[1] اور کسی سے صرف بے رخی اور بے اعتنائی کا سلوک کرنے پر اکتفا کرے۔ یہ سب صورتیں جائز اور صحیح ہوں گی، یعنی ظاہر شریعت کے اعتبار سے اس طرح کے جائز فیصلے مسلمانوں کے لیے واجب التعمیل ہوں گے اور ان کی اطاعت سے گریز کرنا ایمان سے محروم کر دے گا۔ پھر اسی سلسلہ میں تفویض خدمات و مناصب کا معاملہ لیجیے، ادھر بھی امام کے اختیار تمیزی کو بہت کچھ دخل حاصل ہے۔ وہ کسی کو مرتبہ بلند پر پہنچاتا ہے اور کسی کو ادنیٰ مقام پر چھوڑ دیتا ہے[2]، ایک

---

[1] جس نظام عدلیہ کا مقصود بندوں کی اخلاقی اصلاح ہو وہ اپنے امراء اور حکام کو اختیار تمیزی کے استعمال کی گنجائش دے گا کیونکہ مختلف اشخاص کی اصلاح کے لیے مختلف مراتب و مدارج کی سزائیں کارگر ہو سکتی ہیں ـــــ ہاں وہ جرائم مستثنیٰ ہیں جن سے سوسائٹی میں کوئی بہت بڑا بگاڑ اور بہت بڑا فساد رونما ہوتا ہے، مثلاً قتل، چوری، زنا وغیرہ۔

[2] یہاں بھی وہی صورت ہے، یعنی اگر کسی نظام میں سلطنت کے کارکن "سندات" کی بنا پر چھانٹے جاتے ہوں، تو وہاں ہر قسم کا بے وقوف حکومت کی مشین میں نصب ہو سکتا ہے، جیسا کہ موجودہ نظام میں آپ کسی منصب پر اس شخص کو متمکن پاتے ہیں جو اس منصب کے لیے پوری طرح نا اہل ہوتا ہے۔ آخر علمی قابلیت ہی دیکھنے کی چیز نہیں ہے آدمی کا تقویٰ، آدمی کی دیانت اور اس کا پاکیزہ کیرکٹر، اس کا ذوق، اس کا جبلی رجحان، اس کے خاندانی اور وراثتی تاثرات یہ سب کچھ قابل لحاظ ہوتا ہے اور یہ چیزیں کبھی بھی سند سے نہیں تولی جا سکتیں۔ اسی وجہ سے شریعت اسلام صاحب امر کو اختیار تمیزی دیتی ہے۔ (ن۔ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کو اپنے پہلو میں جگہ دیتا ہے اور دوسرے کو اپنے سے دور رکھتا ہے، کوئی اس کے اشارہ سے افسروں کا افسر ہو کے رہ جاتا ہے اور کوئی ادنیٰ درجہ کے چوبداروں اور چپراسیوں کے حلقہ سے آگے نہیں نکل سکتا۔ ان مختلف صورتوں میں قانون شریعت کی طرف سے امام پر کوئی حرف نہیں آتا، بلکہ الٹا جو شخص ایسے معاملات میں امام پر اعتراض کرتا اور اسے برا بھلا کہتا ہے، وہ عاصی و باغی اور مردود و مطرود قرار پائے گا۔

پھر ایسا ہی معاملہ قتل سیاسی کا ہے، یعنی جرائم کی بعض ایسی قسمیں ہیں کہ ان میں سے اگر کوئی جرم کسی شخص سے صادر ہو تو اگرچہ شرعاً وہ مجرم کے قتل کو مقتضی نہیں ہے، لیکن اگر امام کی رائے اس کے قتل کا فیصلہ دے دے تو یہ قتل بالکل جائز ہوگا۔ ایسے ہی جنگ و صلح کے مسائل و معاملات ہیں[1] کہ امام بعض اوقات جابر و سرکش کفار کی سرکوبی میں تساہل سے کام لیتا ہے اور کبھی مومن و مسلم باغیوں اور مجرموں کے خلاف یکدم برسرپیکار ہو جاتا ہے۔ ان حدود میں امام اپنے اختیارات کو جیسے چاہے استعمال کرے، کسی کو اس سے قیل و قال کی مجال نہیں ہوگی۔

اب رہے وہ شرعی معاملات جو مالیات سے متعلق ہیں[2]، وہ بڑی لمبی چوڑی بحث کے محتاج ہیں، مگر یہاں خلاصۃً یہ سمجھ لینا چاہیے کہ اموال غنیمت کے سوا بیت المال کے دوسرے اموال کی تقسیم میں تمام مسلمانوں سے مساوات کا سلوک کرنا امام پر واجب نہیں ہے۔ وہ چاہے تو کسی کو ہزار ہا روپے یک مشت عطا کر سکتا ہے اور کسی دوسرے کو چاہے تو ایک پھوٹی کوڑی بھی نہ دے۔ اس پر بھی محروم کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ کوئی چون و چرا کرے۔ اگر وہ چون و چرا کرتا ہے اور اعتراض اٹھاتا ہے اور اطاعت امیر کے دائرہ سے قدم باہر نکالتا ہے تو وہ بارگاہ حق میں نامقبول اور قرب الٰہی سے محروم ٹھہرتا ہے۔ بہرحال اس نوعیت کے معاملات و مسائل جو امام وقت کی رائے پر چھوڑے گئے ہیں، بے شمار ہیں، ان میں نمونہ کے طور پر بعض کا ذکر کر دیا گیا ہے اور بقیہ مثالوں میں سے بیشتر کا تذکرہ آئندہ ابواب میں دلائل و شواہد کے ساتھ آئے گا۔ انشاء اللہ۔

یہاں مدعائے بیان صرف یہ ہے کہ ان اختیاری معاملات میں خلیفۂ راشد بھی حکم لگاتا ہے اور سلطان عادل بھی، لیکن دونوں میں فرق ہوتا ہے۔ خلیفہ راشد کے تصرفات کا مقصود احکام الٰہی کی اطاعت، دنیا کی اصلاح اور نوع انسانی کی صحیح تربیت ہوتا ہے۔ یعنی جتنے گوناگوں معاملات، بوقلموں مقدمات اور رنگا رنگ احکام اس کی طرف سے صادر ہوتے ہیں

---

[1] یہاں بھی امام کے وسیع اختیارات تیزی کا تذکرہ ہے اور یہاں بھی ان کی اہمیت بہت زیادہ ہے۔ نفاذ عدل اور تقسیم مناصب کے مسائل کے مقابلہ میں امور سیاسیہ و مسائل صلح و جنگ کے لیے کوئی مستقل حکم متعین کرنا اور بھی زیادہ مشکل ہے۔ کیونکہ ان امور کے متعلق کوئی حکم لگاتے ہوئے بدلنے والے حالات کو ملحوظ رکھنا پڑتا ہے۔ پس ان مسائل میں بھی امام کو اپنی بصیرت سے کام لینے کے لیے جائز حد تک گنجائش دی گئی ہے۔ (ن-ص)

[2] بیت المال کے صرف میں بھی بڑی حد تک امیر المومنین کو اپنی حکیمانہ نظر سے کام لینے کا حق حاصل ہے۔ کیونکہ یہ باتیں ہمیشہ کے لیے طے نہیں کی جا سکتیں کہ کیسے شخص کو کیسے حالات میں کتنا دینا اس شخص کے لیے اور سوسائٹی کے لیے مفید ہے۔ یہ صحیح ہے کہ خلیفہ کی وسعت اختیار مضر بھی ہو سکتی ہے مگر جہاں یہ نہیں ہوتی وہاں نظام "مشینی" اور "دفتری" ہوتا ہے، "انسانی" نہیں ہوتا۔ اور یہ ظاہر ہے کہ مشینی اور دفتری نظاموں کے تحت سوسائٹی کی ظاہری ٹیپ ٹاپ کتنی ہی جاذب نظر ہو انسان کو حقیقی امن اور مسرت نہ حاصل ہوگی۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ صرف مفاد ملت اور انتظام امت کے لیے ہوتے ہیں۔ وہ کسی پر نگاہ کرم سے متوجہ ہوتا ہے تو دوستی اور قرابت کی پاسداری سے نہیں ہوتا، اسی طرح اگر کسی کی تذلیل کرتا ہے تو کسی ذاتی مخالفت و عداوت کے ماتحت انتقاماً نہیں کرتا، بلکہ جس امر کو نظام امت اور مفاد ملت کے لیے مناسب سمجھتا ہے صرف اس کو اختیار کرتا ہے، اور دل و جان سے اختیار کرتا ہے وہ جس شخص کو کسی خدمت کے لیے موزوں سمجھے گا ضرور اسی کو وہ خدمت سونپے گا، چاہے وہ اس کا دلی دوست ہو یا جانی دشمن: ـــــ بخلاف اس کے سلطان عادل کا معاملہ دوسرا ہے، یعنی اگرچہ وہ احکام دین اور آثار سنت میں کوئی مداخلت نہیں کرتا، بلکہ صرف مذکورہ بالا اختیاری امور ہی میں تصرف کرتا ہے، لیکن اس تصرف کی مختلف صورتوں میں وہ اپنے نفس کے تقاضوں کی رعایت ضرور کرتا ہے۔ مثلاً دو آدمیوں سے ایک ہی جرم سرزد ہوتا ہے، ایسا جرم جس کے لیے حد شرعی متعین نہیں ہے، بلکہ اس پر امام کو تعزیر اپنی رائے سے قائم کرنی ہے۔ اب یہ ممکن ہے کہ ایک کے لیے قید و تازیانہ کی سزا نافذ ہو جائے اور دوسرے کے لیے صرف نگاہ لطف کا پھیر لینا مناسب قرار پائے۔ اس امتیازی رویہ میں خلیفہ راشد تو یہ ملحوظ رکھے گا کہ مجرموں کی اصلاح کس طرح ہو سکتی ہے؟ جس کے متعلق اسے یقین ہو جائے گا کہ یہ قید و تازیانہ کے بغیر راہ راست پر نہیں آسکتا، اس پر سخت تعزیر عائد کرے گا اور جس کے متعلق وہ یہ اندازہ کرے گا کہ یہ صرف اظہار تغافل سے درست ہو سکتا ہے اور اگر اس کی زیادہ تذلیل کی گئی تو حمیت جاہلیہ اس کے اندر اس حد تک ابھرے گی کہ خودکشی کی نوبت آسکتی ہے تو اس کے لیے ہلکی سزا مقرر کرے گا۔ مگر سلطان عادل ایسے موقع پر جو فیصلہ دے گا ان میں نفسانیت بھی سرایت کر سکے گی۔ مثلاً اس کے سامنے ایک مجرم آتا ہے جس کے خلاف اس کے دل میں پہلے سے[1] کینہ بھرا ہوا ہے، مگر شرعاً کسی جرم کے اثبات کے بغیر سلطان بے بس تھا اور انتقام کی آگ نہ بجھا سکا مگر اب جرم ثابت ہوتے ہی نفس کا تقاضا پورا کرنے کے لیے ادھر حالات سازگار ہوئے اور ادھر وہ مجرم پر جھپٹ پڑا اور کسی سخت سزا کا حکم دے دیا۔

سطور بالا میں خلافت راشدہ اور سلطنت عادلہ کا نازک فرق ضروری حد تک بیان کر دیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ ملحوظ رکھنا چاہیے کہ اگرچہ سلطنت عادلہ[2] کے نظام سے بظاہر شرع شریف کو فائدہ پہنچتا ہے مگر در حقیقت یہ نظام اس کے لیے مضر ہے۔ اکابر امت کو خصوصیت کے ساتھ اس سے ضرر پہنچتا ہے اور تزکیہ نفس، حسن خلق، اخلاص عمل، خیر خواہی خلق اللہ اور تربیت عباد اللہ میں سیرت پیغمبر اور سنت رسول کو جو دخل ہوتا ہے وہ دھیرے دھیرے ختم ہونے لگتا ہے اور علماء و زعمائے امت جو فضائل دینی کے لحاظ سے واجب التعظیم ہوتے ہیں، ان کا کوئی وقر نہیں رہتا، کیونکہ سلطنت عادلہ کے

[1] ایسے مفاسد کی روک تھام کے لیے دنیا کا کوئی قانونی نظام کامیاب تدابیر نہیں اختیار کر سکا ہے، مگر اسلام نے تو انسانی زندگی کو اخلاقیت کی اساس پر کھڑا کر کے بڑی حد تک رخنہ بندی کر دی ہے۔ اب اگر کوئی اکا دکا قانون پرست اس کی سوسائٹی میں ابھرتا ہے تو اس کا کیا علاج؟ ـــــ یہ ہو سکتا ہے کہ کچھ اجتہادی تدابیر نظام حکومت اور نظام عدالت کے خارجی ڈھانچہ کی تعمیر میں ایسی اختیار کی جائیں جن سے ایسے مفاسد کا ظہور اور بھی بعید از امکان ہو جائے۔ (ن۔ ص)

[2] ذرا غور کیجیے کہ "سلطنت عادلہ" جو خلافت راشدہ سے ایک ہی درجہ فروتر ہوتی ہے وہ تک شریعت کے لیے مضر اور اصلاح و تربیت انسانی میں غیر سود مند ہے ـــــ مگر کجا یہ حال کہ خالص طاغوت کی حکومت، شیطان کی سیاست، فرعون اور نمرود کا اقتدار مسلمانوں کے ہاں سے سند جواز حاصل کر لیتا ہے۔ (ن۔ ص)

© rasailojaraid.com

دور میں بڑے سے بڑے تیس مار خانوں کا دینی کارنامہ اس سے زیادہ کچھ نہیں ہوتا کہ چند مسائل فقہ کو رٹ لیں[له] اور انہیں ڈھال بنا کر سلطان وقت کے گزند سے محفوظ رہیں یا اگر ضرورت پڑے تو کسی دشمن کو اپنے علم فقہ کے زور سے عدالت کے سامنے مجرم ثابت کر دکھائیں۔ یہ چیزیں روح شریعت کو بری طرح مجروح کر دیتی ہیں، درانحالیکہ اس کا نظر فریب ڈھانچہ جوں کا توں کھڑا نظر آتا ہے۔ اسی وجہ سے ایسے نظام کو حدیث میں "ملک عضوض" (سلطنت مستبد) کی اصطلاح سے موسوم کیا گیا ہے۔ مثلاً خلافت راشدہ کے بعد نمودار ہونے والے نظام کی طرف حسب ذیل اشارہ ملاحظہ ہو:۔

هذا الامر بدء نبوة ورحمة ثم يكون خلافة ورحمة. ثم يكون ملكا عضوضا

یہ نظام نبوت و رحمت کی صورت میں شروع ہوا، پھر خلافت و رحمت کی شکل اختیار کرے گا، پھر مستبد بادشاہی بنے گا۔

اس موقع پر یہ واضح کر دینا ضروری ہے کہ سلطنت عادلہ اعلیٰ اور ادنیٰ دو قسم کی ہوتی ہے۔ اس تقسیم کا راز یہ ہے کہ ظاہر شرع کی پاسداری جو سلطنت عادلہ کی لازمی علامت ہے، دو وجوہ سے برقرار رہتی ہے، یعنی یا تو خوف خدا اس کا سبب ہوتا ہے یا پاس مخلوق! پس اگر خوف خدا والی صورت ہو تو سلطنت عادلہ اعلیٰ ہوگی اور اگر بندوں کے خوف کی صورت ہو تو ادنیٰ۔

سلطنت کاملہ اعلیٰ قسم کی سلطنت عادلہ میں سلطان شریعت کی پاسداری ایمان کی وجہ سے کرتا ہے کہ اس کے نزدیک خدا تعالیٰ بادشاہ مطلق اور مالک برحق ہے اور وہ ناتوانوں، عاجزوں کا سہارا اور کثیر و قلیل پر قادر اور اعلیٰ و ادنیٰ پر غالب ہے۔ وہ اپنے آپ کو اس کے پنجۂ قدرت میں بے بس محسوس کرتا ہے۔ اس صداقت پر بھی اسے یقین ہوتا ہے کہ ایک دن رب الارباب کی بارگاہ میں محکمۂ احتساب کے سامنے پیش ہونا ہے اور وہاں سے ہر گستاخی و شوخ چشمی کا پورا پورا بدلہ ملنا ہے، نیز یہ کہ اس بارگاہ میں بادشاہ مقتدر اور مسکین بے بس یکساں مسئول ہوں گے اور انصاف سب پر یکساں نافذ ہوگا۔ پھر وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہاں چل کر جبر اور کبر، ظلم اور جور، فسق و فجور وبال جان ہو جائیں گے اور ان کا مرتکب لعنت و عذاب کا مستحق ہوگا۔ وہاں ستم توڑنے والے آگ کے شکنجے میں کسے جائیں گے اور خود پسند سرکشوں کو ذلت کا طوق پہنایا جائے گا۔

اس حالت میں اگرچہ سلطان کو نفس امارہ گمراہی کی طرف کھینچتا ہے، مگر دوسری طرف سے خوف خدا اسے شتر بے مہار نہیں بننے دیتا۔ چنانچہ اگر بہ تقاضائے بشریت وہ راہ حق سے ذرا ادھر ادھر ہو بھی جاتا ہے تو یہی خوف خدا گھسیٹ کر اسے پھر راہ راست پر لے آتا ہے۔ پس وہ لذات نفسانی کو پورا کرنے کے لیے شریعت کی دی ہوئی رخصتوں اور گنجائشوں کی حد تک ہی ترکتازیاں دکھاتا ہے۔ مثلاً اس کی چشم حسد لاکھ مطالبہ کرے کہ فلاں عاجز پر دست تعدی دراز

له کیا بصیرت افروز بات کہی ہے! سبحان اللہ! لیکن "مسائل فقہ کی رٹائی" آغاز انحطاط میں اتنی کہاں ہوگی، جتنی آجکل ہے۔ آج تیس مار خانوں کا کمال یہ ہے کہ صرف پائجاموں اور داڑھیوں کے طول ناپنے کا فن رٹتے رٹتے عمریں گذار دیتے ہیں اور اس کے ذریعہ اپنے تقدس کی دھاک بٹھاتے ہیں اور پھر اس تقدس سے امامت و امارت اور خطابت و صدارت اور کچھ نہ کچھ "آب و نان" بھی حاصل کرتے پھرتے ہیں۔ (ن۔ م)

© rasailojaraid.com

کرنا چاہیے۔ لیکن وہ اس عاجز کے متعینہ شرعی حقوق کی پاسداری میں طوعاً و کرہاً اپنے پنجۂ اقتدار کو سمیٹے رہتا ہے، تاوقتیکہ اس پر شرعاً کوئی جرم ثابت نہ ہو جائے۔ جرم اگر ثابت ہو گیا تو اس کا کینۂ دیرینہ کھوٹے گا اور اس کے فیصلہ کو متاثر کریگا۔ اسی طرح کسی حسینۂ دلربا کے اشتیاق میں اسکا دل کتنا ہی پیچ و تاب کیوں دکھائے اور شوق وصال اسے کتنا ہی بے حال کیوں نہ کر دے۔ لیکن تاوقتیکہ نکاح منعقد نہ ہو جائے، وہ جام وصال کو ہونٹوں سے نہ لگائے گا۔ ہاں نکاح کی سعی میں ضرور اپنے قیمتی اوقات اور اپنے بیش بہا اموال صرف کر کے سرگرداں رہے گا۔

اسی طرح اس کا نفس اگرچہ بزور یہ مطالبہ کرے گا کہ مطلب براری کے لیے ارباب کبر و جفا کے ہتھکنڈے استعمال کرنے چاہئیں، لیکن وہ حدیث الکبریاء ردائی والعظمۃ ازاری (یعنی خدا نبی کے ذریعے سے فرماتا ہے کہ کبریائی میری چادر ہے اور عظمت میرا تہ بند ہے) کو مدنظر رکھتے ہوئے اس مطالبہ کو لو کر دے گا اور اپنے آپ کو نشست و برخاست اور رفتار و گفتار میں صرف اتنے ہی امتیاز کا مستحق سمجھے گا جتنے امتیاز کے لیے شرعاً اجازت ثابت ہو۔ اس کو یہ کبھی گوارا نہیں ہوگا کہ قیصروں اور کسراؤں اور دوسرے جبابرہ کے طور طریقے جو شرعاً حرام ہیں، اختیار کرے۔

ان امور کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ کہنا بجا ہو گا کہ اگرچہ سلطان عادل کی زندگی پر سیرت انبیاء و خلفاء کی قبا درست نہیں بیٹھتی، مگر پھر بھی شریعت کے قانونی نظام کی طرف سے اس پر کوئی الزام وارد نہ ہوگا۔ دراصل اس کے دل میں ایمان کا شعلہ ضرور بھڑک رہا ہوتا ہے مگر ہوا و ہوس کا دھواں اس کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔ اس کی روح میں یقین کی بجلی ضرور چمکتی ہے لیکن فساد نیت کی تاریکیاں اسے ڈھانپ لیتی ہیں۔ ملاحظہ ہو حذیفہؓ کی روایت :-

قال: قلت یا رسول اللہ! ھل بعد ھذا الخیر من الشر؟ قال نعم! قلت وھل بعد ذلک الشر من الخیر؟ قال نعم، وفیہ دخن! قلت وما دخنہ؟ قال یستنون بغیر سنتی ویھدون بغیر ھدیی!

حذیفہ کہتے ہیں کہ میں نے سوال کیا یا رسول اللہ! کیا اس "خیر" کے بعد کوئی "شر" ہو گا؟ فرمایا ہاں! پھر میں نے پوچھا کہ کیا اس "شر" کے بعد کوئی "خیر" ہو گا؟ فرمایا ہاں اور اس کے ساتھ تیرگی ہو گی۔ میں نے پوچھا کہ اس تیرگی کیا ہو گی؟ فرمایا کہ (امراء و سلاطین) میری سنت سے ہٹ کر چلیں گے اور میری ہدایت سے ہٹ کر قیادت کریں گے۔

اس روایت میں اول الذکر "خیر" سے مراد نبوت اور خلافت راشدہ کا دور رحمت ہے۔ ثانی الذکر "خیر" اشارہ ہے سلطنت عادلہ کے قیام کی طرف اور لفظ "دخن" اور اس کے بعد کا توضیحی جملہ یہ واضح کرتا ہے کہ جس دور کی خبر دی جا رہی ہے وہ نظام سلطنت کا دور ہو گا، نہ کہ خلافت راشدہ کا! یہ خاص طرز کا نظام حکومت جس میں خوف خدا کی وجہ سے ظاہر شرع کا لحاظ کیا جاتا ہے۔ ہماری اصطلاح میں "سلطنت کاملہ" ہے۔

سلطنت ناقصہ

اب لیجیے دوسرا پہلو، یعنی سلطان عادل کے دل میں خوف خدا اس حد تک پہنچا ہوا نہیں ہوتا کہ اس کے نفس امارہ کا راستہ روک سکے، لیکن بندوں کی شرم اس کا دامن پکڑ لیتی ہے اور نفسانیت کے زور میں اسے احاطۂ شریعت سے باہر نکلنے نہیں دیتی۔ خود اس شرم کی صورتیں مختلف ہوتی ہیں۔ مثلاً کبھی تو اس کا سبب یہ ہوتا ہے کہ جس ملک میں سلطنت عادلہ قائم ہوتی ہے اس کے خواص و اکابر دیندار اور مطیع شریعت ہوتے ہیں یا کم از کم عادۃً

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لوگوں کے اندر اتباعِ شریعت برقرار رہتا ہے اور ہر کس و ناکس اور مومن و منافق دین کے بندھن میں کسا رہتا ہے۔ ایسے حالات میں سلطان خوب سمجھتا ہے کہ اگر ظاہر شریعت کی مخالفت کرے گا تو جمہور میں بدنام ہوگا، جس کے نتیجہ میں عین ممکن ہے کہ اس کے خلاف شورش برپا ہو جائے۔ پھر کبھی ایسا ہوتا ہے کہ سلطان کے لیے اس کے پیش رو "سلاطین کامل" اتباع شریعت کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ وہ اگر اس کے آباؤ و اجداد تھے تو وہ اچھی طرح محسوس کرتا ہے کہ ان کا خلف الرشید اور جائز جانشین قرار پانے کے لیے انہی کے دستور پر چلنا ہوگا ورنہ وہ ان کا ناخلف سمجھا جائے گا۔ لیکن اگر سلطان ان کی نسل سے نہ ہو تو بھی وہ یہ کوشش کرے گا کہ ان کے برابر بلکہ ان سے کچھ زیادہ نیک نامی حاصل کرے،

پھر کہیں یہ صورت پائی جاتی ہے کہ سلطان عادل کا دور خلافتِ راشدہ کے دور سے بالکل متصل ہوتا ہے۔ اس وجہ سے اسے اندازہ ہوتا ہے کہ اگر اس کی روش سیرت خلفائے راشدین کے بالکل خلاف ہوگی تو چھوٹے بڑے سبھی اس سے نفرت کریں گے اور اپنی زمام اختیار اس کے قبضہ میں نہ رہنے دیں گے، پس وہ شریعت کی نمائشی پاسداری کرتا ہے اور اس کی حدود کو کھلم کھلا نہیں پھاندتا۔

مگر ان ساری صورتوں میں پہچاننے والے جان جاتے ہیں کہ حقیقت کیا ہے کیونکہ اہل صدق و اخلاص اور ارباب تصنع و تکلف کے اعمال میں بہت فرق ہوتا ہے۔ معمولی فراست رکھنے والا بھی یہ سمجھ لیتا ہے کہ اس شخص کا کردار ایک کھوکھلا قالب ہے، جس میں مطلقاً جان نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ سلطان عادل کی دیانت اور اس کا تشرع سچے مسلمانوں کے نزدیک ایک لحاظ سے مرغوب ہوتا ہے اور ایک لحاظ سے نامرغوب! مرغوب اس لحاظ سے کہ اس کا ڈھانچہ شریعت کے مطابق ہے اور نامرغوب اس وجہ سے کہ اس دیانت و تشرع کا ظہور ایک مکار و ریاکار شخص سے ہو رہا ہے۔ اس کے افعال ایک مومنِ مخلص کی نگاہ میں بیک وقت معروف کی تعریف میں بھی آتے ہیں اور منکر کی تعریف میں بھی۔ یہ صورت ذیل کے فرمودۂ نبوت کے عین مطابق ہے:-

یکون علیکم امراء تعرفون وتنکرون — تم پر ایسے امیر ہوں گے جو معروف و منکر دونوں پر چلیں گے۔

سلطنتِ عادلہ کی یہ شکل جس میں خوف خدا کی جگہ بندوں کا پاس سلطان کو ظاہر شریعت کا پابند رکھتا ہے، ہماری اصطلاح میں سلطنت ناقصہ کہلاتا ہے۔

چند اہم اشارات ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اس موقع پر گذشتہ بحث (سلطنت کاملہ) سے تعلق رکھنے والے چند اہم نکات کا تذکرہ کر دیا جائے۔

لہ یہ درست ہے کہ احترام قانون کے ہوتے ہوئے جو اخلاقی زوال کسی شخص کی سیرت میں آجاتا ہے، اسے قانون کے کانٹے پر تولا نہیں جا سکتا اور نہ اس پر کوئی سزا نافذ ہو سکتی ہے۔ مگر یہ زوال بالکل غیر محسوس بھی نہیں ہوتا۔ عقل عامہ تھوڑے سے غور کے بعد معلوم کر سکتی ہے کہ کسی شخص کی حرکات میں اخلاقی جان ہے یا نہیں۔ چنانچہ قانون سے فائدہ اٹھانے والے قانونی "امیر" سے اصحاب شوریٰ قدم قدم پر تصریح طلب کر سکتے ہیں، پریس اس پر تنقید کرے گا اور محراب و منبر سے اس کی تذکیر کی جائے گی اور اس طرح کے مستقل دباؤ سے اس کی اصلاح کا امکان بھی ہوگا اور رعایا کی سیاسی تربیت بھی ہوتی رہے گی۔ (ن، س)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اشارہ (۱)۔ سلطان کامل حکماً خلیفۂ راشد ہے!

مدعا یہ ہے کہ اگرچہ درحقیقت وہ خلافت راشدہ کے منصب سے محروم ہے، لیکن چونکہ اس کے نظم میں خلافتِ راشدہ کا ایک اعلیٰ ترین وصف موجود ہوتا ہے، یعنی ظاہرِ شرع کی خدمت جسے صدق و اخلاص کے ساتھ سلطان سرانجام دیتا ہے۔ اس لیے اگر اس کے معاصرین میں کوئی ایسا امام[1] موجود ہو جو خلافت راشدہ کا نظم چلانے کی لیاقت رکھتا ہو تو اس کے لیے بھی مناسب یہی ہے کہ وہ اپنی غیر سیاسی امامت پر قانع رہے اور اپنی ساری کوششیں ہدایت کو پھیلانے میں صرف کردے۔ وہ میدان سیاست میں سلطان کامل سے دست و گریباں نہ ہو اور رعیت و سپاہ کو جنگ وجدال کے لیے اکسا کر خستہ حال نہ کردے۔ یہ صحیح ہے کہ اس طرح خلافتِ راشدہ کا عالی قدر منصب اس کے ہاتھ سے جاتا ہے، لیکن بندگانِ خدا کی خیر خواہی میں بطور رضا بہ قضا اسے یہ نقصان گوارا کرنا چاہیے اور اپنے اس صبر کو جمہور مسلمین کے لیے ویسی ہی قربانی قرار دینا چاہیے جیسی حضرت حسن مجتبیٰؓ نے دی تھی کہ آپ نے سلطان شام کی مزاحمت سے اپنے آپ کو روک لیا۔ اسی قربانی کے پیشِ نظر حضرت موصوف کے لیے رسول مقبول کی زبان سے پیشگی کلمات ستائش وارد ہوئے تھے کہ:-

ان ابنی ھذا سید لعل اللہ ان یصلح بہ فئتین عظیمتین من المسلمین
میرا یہ بچہ سردار ہوگا، بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کے ذریعے سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے۔

اس حدیث سے یہ بات بھی کھل گئی کہ خدا اور رسول کے نزدیک سلطان کامل کے حق میں "اجتماعِ کلمہ"[2] پسندیدہ ہے اور اس کی اطاعت بارگاہ حق تعالیٰ میں مقبول ہے۔

اشارہ (۲) سلطان کامل خلفائے راشدین اور عام سلاطین کے درمیان برزخ ہے۔

یعنی اگر بادشاہوں کے حالات کو دیکھا جائے تو ان کے مقابلہ میں سلطان کامل خلیفۂ راشد قرار پاتا ہے۔ لیکن خلفائے راشدین کی طرف نظر کی جائے تو وہ ان کے مقابلہ میں محض ایک بادشاہ سمجھا جائے گا۔ چنانچہ سلطان شام نے خوب کہا تھا کہ:-

لست فیکم مثل ابی بکر و عمر ولکن سترون امراء بعدی
میں تمہارے اندر ابی بکر و عمر کی طرح نہیں۔ مگر امرا کو تم میرے بعد دیکھو گے۔

بہرحال سلطان کامل کا دورِ اقتدار چونکہ دورِ نبوت اور دورِ خلافت راشدہ کے ساتھ ایک گونہ مماثلت رکھتا ہے اس وجہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ آغاز دورِ نبوت سے لے کر سلطنت کاملہ کے اختتام تک ترقی اسلام کا زمانہ ہے۔ اس مدعا کو یہ حدیث موکد کرتی ہے:-

تدور رحی الاسلام بخمس وثلاثین او ست وثلاثین او سبع وثلاثین فان یھلکوا
اسلام کی چکی چلتی رہے گی ۳۵ ، ۳۶ یا ۳۷ سال تک۔ پس اگر ہلاک ہو گئے تو ان لوگوں کے طریقہ پر ہلاک ہوں گے جو ہلاک ہو گئے اور اگر ان کا

---

[1] امام کی اصطلاح بہت وسیع الاستعمال ہے یعنی "مقتدر سیاسی امامت" کی طرف بھی اس کا اشارہ ہو سکتا ہے اور غیر سیاسی مذہبی امامت کی طرف بھی جیسا کہ شاہ صاحب نے کتاب کے ابتدائی حصہ میں وضاحت سے حقیقت امامت پر بحث فرمائی ہے۔ پس یہاں "امام" سے مراد ایسی ہستی ہے جو وجاہت، سیادت، ہدایت وغیرہ کے مناصب پر فائز ہو مگر سیاست کے نظم میں اسے براہ راست کوئی دخل نہ ہو۔ (ن۔ص)

[2] "اجتماعِ کلمہ" سے مراد یہ ہے کہ جمہور مسلمین کو اس کی اطاعت پر متفق ہو جانا چاہیے (ن۔ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیبیلی من ھلک، وان یقم لھم دینھم یقم لھم ۔ ۔ ۔ دین ان کے لیے قائم رہا تو ۔ ۔ سال تک قائم رہے گا ۔ ۔ ۔ ۔
سبعین عاماً ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

کلمۂ "ان یھلکوا" سے انتظامِ خلافت کی برہمی اور دورِ خلافت کے آخر میں ظہورِ فتنہ کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ،
کلمۂ "ان یقم لھم دینھم" سے دورِ نبوت ، دورِ خلافت اور دورِ سلطنت کاملہ کے مجموعی زمانہ کی ترقئ اسلام مراد ہے۔
ایک اور حدیث میں وارد ہے کہ :-

تعوذوا باللہ من راس السبعین ۔ ستر ہ سے اللہ کی پناہ مانگو۔

یہاں اشارہ ہے سلطنت کاملہ کے خاتمہ کی طرف ، جس کو ملحوظ رکھنے سے اندازہ ہوتا ہے کہ مذکورہ بالا تینوں دور مل کر ایک زمانۂ برکت قرار پاتے ہیں اور وہ عظیم الشان شر و فساد (ملوکیت) جس سے خدا کی پناہ طلب کرنی چاہیے ، اس مجموعی زمانہ کے خاتمہ پر ظہور پائے گا۔

اشارہ (۳) سلطان کامل کو ایک حد تک نیابت پیغمبری بھی حاصل ہے۔
یہ صحیح ہے کہ اس کی ریاست کو خلافتِ نبوت نہیں کہہ سکتے ، لیکن وہ سلطنتِ نبوت ضرور ہے ۔ بعثتِ محمدیؐ کے متعلق ایک الہامی پیشینگوئی کے یہ الفاظ اس مدعا کی طرف اشارہ کرتے ہیں :-

مھاجرہ طیبۃ وملکہ بالشام ۔ اس کا دار الہجرت طیبہ (مدینہ) اور دار السلطنت شام ہو گا۔

پس جس طرح کی اطاعت[1] کامل نبی کے لیے مطلوب ہے ، اسی طرح کی اطاعت کامل کا حق دار سلطان کامل بھی ہے ، باوجودیکہ سیرت کی تکمیل ، تقرب الی اللہ کے حصول ، خلق خدا سے حسن معاملہ اور بندگانِ خدا کی تربیت کے لیے حدودِ دیانت کی جو پابندی اور نور ہدایت کی جیسی پیروی ناگزیر ہے اس کا درس اس سے قطعاً نہیں لیا جا سکتا۔

اشارہ (۴) سلطان کامل حسن ظن کا مستحق ہے۔
سلطان کامل کے متعلق یہ تو طے ہے کہ وہ حقیقۃً ایمان و اخلاص کا مالک ہے ، پھر بعض قابل قدر کارنامے بھی اس کے ہاتھوں سے انجام پاتے ہیں ، نیز یہ کہ اس کے اقتدار سے ظاہر شریعت کو ترقی ملتی ہے ۔ ان خوبیوں کے ساتھ اگر بشری تقاضوں کے ماتحت اصلاح اخلاق کے شعبے میں اس سے کوئی کوتاہی رہ جاتی ہے یا کوئی چیز سنت کے

---

[1] اطاعت کامل سے غیر محدود اور غیر مشروط اطاعت ہرگز متصور نہ ہونی چاہیے ۔ مدعا یہ ہے کہ لاطاعۃ للمخلوق فی معصیۃ الخالق کی اٹل شرط کے ساتھ اس کے احکام کی پوری طرح پیروی کرنی چاہیے ۔ علاوہ بریں اطاعت کامل تنقید و تذکیر کے حق کو ہرگز سلب نہیں کرتی ۔ آپ سلطانِ کامل کے تمام جائز احکام کی پابندی بھی کریں اور اس کے ساتھ وہ اخلاقیت و روحانیت کی کمزوری کا جا بجا مظاہرہ کرے اور نفس پرستی کے لیے شریعت کی گنجائشوں کو ناپسندیدہ طریق سے استعمال کرے تو اسے رو در رو ہو کے نصیحت کیجیے ، پریس اور منبر و محراب کی طاقت کو تنقید و تذکیر کے لیے استعمال کیجیے اور ارباب شوریٰ کو بھی اس مقصد میں اپنا ہمنوا بنائیے۔ لیکن بغاوت برپا نہ کیجیے ، تاوقتیکہ آپ کو ضابطۂ شریعت اس کا حق نہ دیتا ہو ۔ (ن ۔ ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف[لہ] سرزد ہو جاتی ہے تو اس سے چشم پوشی ہی مناسب ہے۔ جہاں تک ہو سکے، دل و جان سے اس کی خیر خواہی کی جائے اور اس کے تھوڑے عمل کو بہت اور اس کی چھوٹی نیکی کو بڑا سمجھا جائے۔ اس رعایت کی وجہ یہ ہے کہ لذتِ نفسانی کی وارفتگی کے باوجود اس کے دل میں دینِ رب العالمین کی خدمت کا جذبہ کام کر رہا ہے ؎

کمالِ صدق و محبت بہ بیں، نہ نقصِ گناہ ۔۔۔ کہ ہر کہ بے ہنر افتد نظر بہ عیب کند

۲۔ سلطنتِ جابرہ

سلطانِ جابر اس آمر کو کہیں گے جس پر نفسِ امارہ کا اتنا زیادہ غلبہ ہو چکا ہو کہ نہ خوفِ خدا لاحق ہو، نہ شرمِ مخلوق! نہ شرع کی پروا ہو، نہ عرف کا لحاظ! بس نفس کی طرف سے کوئی فرمان صادر ہوا تو جھٹ سے اس کی تعمیل ہو گئی، چاہے شریعت موافق ہو چاہے مخالف۔ اس کے نزدیک تو اپنی خواہشات کا پورا کر لینا ہی سلطنت کا منتہائے مقصود ہے۔ ایسے لوگوں کا "نظامِ حکومت" "سلطنتِ جابرہ" کہلاتا ہے۔

یہ ملحوظ رہے کہ سلاطینِ جابرہ شرع کی مخالفت میں مزاج کی افتاد کے مطابق مختلف مدارج پر فائز ہوتے ہیں کوئی سرشارِ کبر و نخوت ہوتا ہے تو کسی دوسرے کو ناز و تبختر کے مظاہرہ کا خاص ذوق ہوتا ہے، کسی کو جور و تعدی سے اور کسی کو فسق و فجور سے خاص مناسبت ہوتی ہے۔ کوئی صنفی لذات میں سرمست ہے تو کوئی شراب گلگوں کا رسیا ہے۔ ایک چٹ پٹے کھانوں کا شیدا ہے اور دوسرا نفیس پوشاکوں پر فریفتہ۔ کہیں کھیل تماشہ سے زیادہ دلچسپی ہے اور کہیں نغمہ و سرود سے خاص وابستگی ہے۔ بہر حال ہوا و ہوس کے راستے بے شمار ہیں اور نفس پرستی کی شکلیں لاتعداد اور اگر ان کی تفصیل شروع کر دی جائے تو اسے پورا کرنے کے لیے کئی صفحے چاہئیں۔ یہاں اس شجرِ خبیثہ کی چند بڑی بڑی شاخوں کا مختصر تذکرہ کیا جاتا ہے، جن سے آگے بے شمار فروع نکلتی ہیں۔

۱۔ سفاہت مخالفتِ شرع کی ایک وجہ سلطانِ جابر کی سفاہت ہوتی ہے۔ ظاہر ہے کہ نعمتِ عقل و خرد سے جو شخص محروم اور دور اندیشی کے فن سے کورا ہو، وہ کسی اصول و مسلک کی پیروی میں استقامت کیا دکھائے گا اور اس سے متانت کی توقع کیونکر کی جا سکتی ہے! اس کے نزدیک وفا و استقلال کی صفت کو کوئی قیمت حاصل نہ ہو گی۔ نہ ننگ و عار کا اسے ذرہ بھر پاس ہو گا۔ اپنی سفاہت کی وجہ سے وہ ہر خواہش کو جس کا گذر آدمی کے دل میں ہو سکتا ہے

لہ سلطانِ کامل کو جو سب سے بڑی رعایت دی جا سکتی ہے وہ یہی ہے کہ مسلمان اس کی اطاعت کریں مگر یہ کہ اس کی کوتاہیوں سے چشم پوشی کی جائے اور اس کے معمولی اعمال کو اصل سے دگنا چوگنا تصور کیا جائے۔ ایسی رعایت ہمارے نزدیک مضر مقصد ہے۔ امرا کے متعلق یہ صورت اختیار کرنے کا نتیجہ اس کے سوا اور کیا ہو گا کہ ہر اگلا قدم زوال کی طرف اٹھے، جیسا کہ خلافتِ راشدہ کے بعد کی سیاسی تاریخ میں ہوا ہے۔ جس نظامِ سیاسی میں فردِ واحد کے بگاڑ پر پوری ریاست کا بگڑ جانا منحصر ہو، اس میں یہ کبھی بھی مناسب نہیں ہے کہ اس فردِ واحد کی ہر حرکت کو حسنِ ظن کی عینک لگا کر خوشنما بنا لیا جائے اور اس کے رائی کے دانہ جتنے کارناموں کو عقیدت کی خوردبین سے "ہزار گنا" کر کے دکھایا جائے۔ جی نہیں! اگر ریاست اور رعایا اور دنیا کے عظیم الشان مفاد کا ہمیں پاس ہو گا تو ہم ادنیٰ سے (بقیہ صفحہ ۲۸ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فوراً پوری کرنے کی فکر کرے گا۔ یہ ہرگز نہ دیکھے گا کہ اس سے کیا نفع و نقصان ہو سکتا ہے اور اس کا آخری نتیجہ کیا ہونے والا ہے۔ وہ جو کچھ کرے گا، بالکل بچوں کی طرح دیوانہ وار کرے گا اور جہاں جہاں منہ مارے گا ٹھیک شتر بے مہار کی طرح مارے گا۔

اس طرز کا آدمی جب منصب سلطنت پر براجمان ہوتا ہے تو سیاست کا سارا کاروبار چوپٹ ہو جاتا ہے، کیونکہ اس کے کرتوت نہ قوانین شریعت کے پابند ہوتے ہیں، نہ آئین عرفی کے مطابق۔ ایسے شخص کی سلطنت میں کون ہے جو نالاں نہ ہوگا؟ چھوٹے بڑے اور خواص و عوام سبھی دکھ پا پا کر فریاد کرتے ہیں۔ یہ ایک ایسی بلائے عظیم ہے جس کی گرفت سے نادان و دانا اور غافل و ہشیار سبھی چھوٹ جانا چاہتے ہیں۔ ذیل کی حدیث میں اسی بلائے عظیم کی طرف اشارہ ہے

اعیذک باللہ من امارۃ السفھاء وقال — میں تمہارے لیے اللہ کی پناہ مانگتا ہوں بیوقوفوں کی امارت سے اور فرمایا

تعوذوا باللہ من رأس السبعین وامارۃ الصبیان — کہ اللہ کی پناہ مانگو سترھ سے اور لونڈوں کی حکومت سے۔

یوں بھی فرمایا کہ:-

ھلاک امتی علی ایدی غلمۃ من قریش — میری یہ امت قریش کے چند چھوکروں کے ہاتھوں تباہ ہوگی۔

ب۔ **عیش پرستی** آپ جانتے ہیں کہ بعض لوگ کسی جبلی سبب کے تحت اپنی قوت شہوانیہ سے مغلوب ہو جاتے ہیں ایسے لوگوں کی ساری قوتیں لذتوں اور راحتوں کے جتنوں میں صرف ہوتی ہیں اور ان کی عقل عیاشی کی بھول بھلیاں میں گم رہتی ہے۔ دن رات چٹ پٹی غذاؤں، اور دلفریب لباسوں اور سرور بخش شرابوں کے موضوع پر کاوشیں ہونگی، شطرنج بازی اور نے نوازی کا مشغلہ ہوگا، رقص و سرود کے چرچے ہوں گے، عورتوں اور لونڈوں میں انہماک ہوگا، محلات تعمیر کرنے اور دلکش باغات لگانے میں خاص توجہ رہے گی وغیرہ۔ فکر و تدبر کے گھوڑے ان میدانوں میں خوب دوڑائے جائیں گے اور دل کھول کر داد فسق دی جائے گی۔

اس قماش کے لوگ جب منصب سلطنت پر قابض ہو جاتے ہیں تو بذلہ سنج لوگ ان کے درباروں میں جمع ہونے لگتے ہیں اور خوب اچھی طرح بھانپ لیتے ہیں کہ یہاں رغبت صرف لذتوں اور راحتوں کی طرف ہے۔ پس وہ سب کھیل تماشے اور ڈگ رنگ کے نئے نئے ڈھنگ ایجاد کرنے میں لگ جاتے ہیں اور ایک ایک شغلہ کو بڑا لمبا چوڑا فن لطافت بنا کر چھوڑتے ہیں۔ پھر مدتوں محنت کر کر کے اسے کمال کو پہنچاتے ہیں۔ عیش پسند سلاطین بھی ایسے ہی فنوں کے ماہرین کو اپنا مقرب اور خیر خواہ شمار کرتے ہیں۔ چنانچہ جو کوئی مانا ہوا عیاش یا بے حیا بھانڈ ہو یا چالباز دیوث ہو یا طبلہ سارنگی کا استاد ہو، وہی دربار سلطانی میں مسند آرا ہوگا۔

لیکن فسق و فجور کی یہ گرم بازاری دولت کو پھونکے بغیر کمال کو نہیں پہنچ سکتی، اسے جاری رکھنے کے لیے خزانے

(بقیہ حاشیہ صفحہ) ادنیٰ بگاڑ پر ٹوکیں گے اور اس کے ایک ایک فیصلہ پر زبان اور قلم سے بحثیں ہوں گی تاکہ رائے عامہ بھی اپنے سربراہ کی روش سے پوری طرح خبردار رہے اور ہر صاحب امر بھی چوکنا رہے کہ وہ چاروں طرف سے دیکھنے والی بیدار آنکھوں کے درمیان گھرا ہے۔ ہاں البتہ اس امر کا پاس کرتے ہوئے کہ صاحب امر ایمان و اخلاص کا مالک ہے، برضا و رغبت اس کی اطاعت کی جائے گی۔

(ن-ص)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بھرپور رہونے چاہئیں۔ چنانچہ سلاطین جابرہ مجبور رہوتے ہیں کہ مال جمع کرنے کے لیے رعایا پر قسم قسم کے جور و ستم روا رکھیں اور بے دھڑک دست درازی کا مظاہرہ کریں۔ اس سے لازماً ملک میں تباہی پھیلتی ہے۔ مفلس اور کمزور لوگ بے خانماں ہوجاتے ہیں اور تاجر و زمیندار بدحال۔ اتنا ہی نہیں، یہ طوفان فسق و فجور بعض صورتوں میں آبرومندوں کی بے آبروئی اور پردہ داروں کی پردہ دری پر منتہی ہوتا ہے۔ اور یہ حالت بھی سلطنت کی تباہی کا سامان بنتی ہے۔ پھر یہ کہ سلطان جب کھیل تماشوں اور نغموں شرابوں میں مستغرق ہوگیا، تو نظام حفاظت و عدالت کا بگڑ جانا لازمی ہے جس کا نتیجہ یہی ہوسکتا ہے کہ رعایا میں باہم جور و ستم کا بازار گرم رہے۔ الغرض سلاطین کا فسق و فجور رعایا کی بدحالی اور ملک کی تباہی کا سبب بن جاتا ہے۔ فرمایا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے:-

ان ھذا الامر بدا ء نبوۃ ورحمۃ ثم یکون خلافۃ ورحمۃ ثم ملکا عضوضا ثم ملکا جبریۃ وعتوا وفسادا فی الارض یستحلون الحریر والفروج والخمور، ویرزقون علی ذلک وینصرون حتی یلقوا اللہ

یہ نظام نبوت و رحمت سے شروع ہوا، پھر خلافت و رحمت بنے گا، پھر سلطنت مستبد کی شکل اختیار کرے گا پھر جبر و سرکشی اور الفساد فی الارض کی مملکت بن جائے گا (اس وقت کے امرا و سلاطین) ریشم، عورت اور شراب کو بالکل حلال کرلیں گے اور اسی قسم کی کارروائیوں پر لوگوں کو عطیے دیں گے اور ان کی مدد کریں گے، یہاں تک کہ اللہ سے جاملیں گے۔

اس حدیث میں سلطنت جبر کی مکمل تعریف آگئی ہے جس سے اس کی ماہیت کا اندازہ ہوجاتا ہے۔

فسق و ظلم کی یہ بادشاہت پوری امت کے لیے ایک خوفناک مصیبت ہوتی ہے، خصوصاً اس وجہ سے کہ اہل دین و دانش سلاطین وقت سے دور بھاگتے ہیں اور ان کی مجالس سے کنارہ کشی کرتے ہیں، اور ان کا تقرب نہیں چاہتے نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان کی معاش میں خلل آجاتا ہے اور اطمینان قلب سے محروم ہوجاتے ہیں۔ اس حال میں وہ اصلاح معاد کی طرف پوری طرح متوجہ نہیں ہوسکتے۔ اور نہ ان کی پوری مساعی جستجوئے راہ حق پر صرف ہوسکتی ہیں۔

لیکن اگر وہ سلاطین وقت کے تقرب کو پسند کریں اور وہی ڈھنگ سیکھ لیں جو ان کے تقرب کا لازمہ ہیں تو اس صورت میں انھیں سب سے پہلے دین و ایمان سے دست بردار ہونا پڑے گا، پھر عزت و آبرو کو چھوڑنا ہوگا، پھر فحش گوئی کو اپنا خاص کمال اور نغمہ سرائی کو اپنا خاص ہنر قرار دینا ہوگا۔ پس ان کے لیے بہتر یہی ہے کہ سلاطین (جابرہ) کی ملازمت اختیار کرکے اپنے دین و ایمان کی جڑ پر کلہاڑا نہ چلائیں۔ انھیں یہ خیال ہرگز دل میں نہ لانا چاہیے کہ اپنا دین بھی بچالیں گے اور زندگی کے معاشی تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دربار سے کچھ کما بھی لائیں گے۔ ایسا خیال کرنا خوش فکری اور غلط فہمی کے سوا کچھ نہیں۔ ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں
ایں خیال است و محال است و جنوں

ج۔ حب مال

عموماً ایسے اشخاص دنیا میں پائے جاتے ہیں جنھیں پیدائشی طور پر مال کی غیر معمولی حرص ہوتی ہے، مگر حرص بھی اس عجیب قسم کی، کہ فقط گوناگوں اموال کے جمع ہوجانے ہی پر اس کی باچھیں کھل جاتی ہیں اور حصول لذت کے لیے کچھ خرچ کرنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ یہاں تو نفس اجتماع دولت ہی سب سے بڑی لذت اور اسکی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کثرت ہی سب سے بڑی راحت ہے۔ ایسے لوگ جب اپنے خزانوں اور دفینوں کی اک جھلک دیکھتے ہیں تو باغ باغ ہو جاتے ہیں اور انھیں ترقی دینے کی خواہش دلوں میں اور بھڑک اٹھتی ہے، چنانچہ خزانے سمیٹنے کے لیے سو طرح کے دکھ سہتے ہیں اور ہزار طرح کی مشقتیں برداشت کرتے ہیں۔ حد یہ کہ بھوکے ننگے رہ کے عمر گزار دینگے مگر کیا مجال کہ اپنے خزانے میں سے ایک دمڑی بھی صرف کر سکیں۔

اب خود ہی غور کیجیے کہ ایسے لوگ اگر نظام سلطنت پر قابض ہو جائیں تو ان سے بجز اس کے اور کیا توقع ہو سکتی ہے کہ اپنی حرص کی آگ خوب بھڑکائیں۔ چنانچہ اہل زراعت و تجارت سے لے کر اغنیا و فقرا تک سے حق حکمرانی (ٹیکس) وصول کرتے ہیں وہ بھی اس اہتمام کے ساتھ کہ مچھر کی ٹانگ سے لے کر چیونٹی کے انڈے تک کوئی چیز حساب سے باہر نہ رہے اور ایک رائی کا دانہ بھی کسی کو معاف نہ کیا جائے۔ بلکہ ان ظالموں کی تو دلی خواہش یہ ہوتی ہے کہ رعایا کے کسی فرد سے کوئی جرم سرزد ہو یا کوئی قصور کسی پر ثابت ہو جائے تو اس کی پکڑ دھکڑ اور سزا بتعزیر کے دوران میں اس کے مال و اسباب کو بلطائف الحیل اڑا لیا جائے۔ ایسے لوگ خود بھی رات دن یہی سوچتے رہتے ہیں کہ رعایا سے کس طرح مال ہتھیایا جائے اور ان کے درباری بھی اسی موضوع پر عقل لڑاتے رہتے ہیں۔ اب جس نے پرایا مال مارنے کے لیے کوئی کارگر تدبیر گھڑلی اور جس نے رعایا کو جُل دینے کا کوئی کامیاب گُر ڈھونڈ نکالا، وہی ان کا خاص امیر ہے، وہی خیر خواہ وزیر ہے اور وہی مخلص مشیر! اس طرح سلطان جابر اور اس کے درباریوں کی مسلسل کاوشوں سے حیلہ سازی اور فریب بازی کے فنون لطیفہ اپنے کمال کو پہنچتے ہیں اور ان کے اصول و فروع مدون ہو جاتے ہیں۔

رہا بخل، سو اس کے تقاضے کے ماتحت ظالم سلاطین اپنے ملازمین سے یہ تو چاہتے ہیں کہ وہ وفاداری سے خدمت کریں اور اس خدمت کو اپنا فخر سمجھیں، مگر یہ گوارا نہیں کر سکتے کہ خزانہ سے کوئی ایک تنکا بھی نکالا جائے یا دفینہ میں سے ایک کوڑی بھی کم ہو جائے۔ چنانچہ ان سے خدمت لینے کے لیے کتنی ہی چالبازیوں سے کام لیتے ہیں اور ریاست و سیاست کی کامیابی کے لیے خلق اللہ کو بالکل مصنوعی خلق سے رام کرتے ہیں، نیز جب مناسب سمجھتے ہیں کسی ملازم پر کوئی الزام قائم کر کے اس کی گزشتہ خدمات کو برباد کر دیتے ہیں اور جہاں مناسب سمجھتے ہیں اپنے خدام کو محض تعظیم و تکریم کے نشہ میں مست رکھتے ہیں۔ ان باتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ خدمت تو لیتے رہیں مگر معاوضہ کچھ نہ دینا پڑے، یا اگر دینا ہی پڑے تو ایسے ڈھنگ سے دیا جائے کہ ملازمین کو پورا پورا حق نہ ملنے پائے بلکہ ان کے حق میں سے جتنا ممکن ہو خزانہ میں روک لیا جائے۔ مثلاً سونے چاندی میں سے کھرا مال بچا کے رکھیں گے اور کھوٹی دھات سے معاوضے ادا کرینگے یا یہ کہ زمانۂ خدمت کا کچھ حصہ حساب سے خارج کر دینگے۔ یا پھر یوں ہوگا کہ ایک عرصہ تک مفت خدمت لینے کے بعد ان کا نام دفتر کے رجسٹروں میں درج کریں گے، وغیرہ!

اس قسم کی بخیل و حریص بادشاہت آخر مملکت کو تہ و بالا کر کے چھوڑے گی اور حکومت کی جڑوں کو کھوکھلا کر دے گی۔ لیکن پھر بھی رعیت کے لیے یہی مناسب ہوگا کہ سلطان بخیل کے افکار و کردار پر صبر کرے اور اس سے متصادم نہ ہو۔ ورنہ اس کا اندیشہ ہے کہ وہ[له] اب تک جو کچھ چرب زبانی اور فریب کاری کے پس پردہ کر رہا ہے، اسے دھڑلے سے سرانجام

© rasailojaraid.com

له (حاشیہ صفحہ ۳۱ پر)

دینے لگے گا اور خوب کھل کر ستم ڈھانا شروع کر دے گا۔ وجہ یہ کہ طمع اس کے خمیر میں شامل ہے اور اگر کسی وقت اس پر مال حاصل کرنے کے دروازے بند ہو جائیں گے تو وہ اپنی جبلت کے تقاضے سے مجبور ہو کر زیادہ ظلم ہو جائیگا۔ نبی صلعم نے حضرت ابوذر سے فرمایا کہ:

کیف انتم وائمۃ من بعدی یستاثرون بھذا الفیٔ؟ قال ابوذر اما والذی بعثک بالحق اضع سیفی علی عاتقی ثم اضرب بہ حتی القاک۔ قال اولا ادلک علی خیر من ذلک تصبر حتی تلقانی

میرے بعد کے ان امرا کے زمانہ میں تمہارا رویہ کیا ہوگا جو اس بیت المال کو خرچ کرنے میں اپنے کو دوسروں پر ترجیح دیں گے؟ حضرت ابوذر نے جواب دیا کہ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا، اس وقت میں اپنی تلوار اپنی گردن پر رکھ دوں گا اور اس کو تن سے جدا کر لوں گا تا کہ آپ سے جا ملوں۔ آنحضرت صلعم نے فرمایا کیا میں تم کو اس سے بہتر راہ نہ بتا دوں! اس وقت تم صبر کرنا یہاں تک کہ مجھ سے آ ملو۔

پھر فرمایا:-

انکم سترون بعدی اثرۃ وامورا تنکرونھا[1]

وروی ان الصحابۃ قالوا یا نبی اللہ ارأیت ان قامت علینا امراء یسئلونا حقھم ویمنعونا حقنا فما تامرنا؟ قال اسمعوا واطیعوا فان علیھم ما حملوا وعلیکم ما حملتم

تم میرے بعد (غیروں پر اپنے حقوق کی) ترجیح (دینے والے امرا) پاؤ گے اور ایسے امور دیکھو گے جن کو تم برا جانو گے۔

اور روایت ہے کہ صحابہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلعم اگر ہم پر ایسے امرا مسلط ہو گئے جو ہم سے تو اپنا حق لے لیں لیکن ہمارے حقوق نہ ادا کریں تو اس وقت ہمارے لیے آپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ان کی سننا اور ان کی اطاعت کرنا، کیونکہ ان کی کمائی کا بار ان کے اوپر ہے اور تمہاری کمائی کا بار تمہارے اوپر۔

شوق مردم آزاری و خونریزی

بعض اشخاص اپنی فطرت کے اعتبار سے مغلوب الغضب اور شتر کینہ ہوتے ہیں۔ ایسوں کا جب غصہ ابلتا ہے تو ترش روئی اور بدگوئی کی حد کر دیتے ہیں۔ اور موذی پن کے مظاہرہ میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ یہ تو ان کے لیے ممکن ہی نہیں کہ مجرم کے قصور کی نوعیت کا خیال کریں۔ بلکہ قانوناً اگر مجرم کی خطا معمولی درجہ کی ہو تو انھیں اور زیادہ غصہ آتا ہے کہ وہ کوئی جرم عظیم کیوں نہ کر کے آیا۔ ایسے ارباب ظلم جرم کو عقل کے کانٹے پر کیوں تولنے لگے۔ بس اندھا دھند ادنی سے ادنی غلطی پر بھی قتل اور قرقی اور تذلیل و تحقیر سے کم درجہ کی سزا تجویز نہ کریں گے، کیونکہ اس کے بغیر ان کو اطمینان قلب اور سکون خاطر حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔ پھر کسی گروہ کا محض ایک فرد اگر ان کی مخالفت کر بیٹھا تو سمجھ لیجیے کہ اس پورے گروہ کی شامت آئی! اچھا برا کوئی نہ بچنے پائے گا۔

(حاشیہ صفحہ ۳۰) کوئی وجہ نہیں کہ جو سلطان اسلامی مالیات کا نظم تہ و بالا کر رہا ہو اور بالواسطہ ریاست کے اندر معاشی و اقتصادی فساد پھیلا رہا ہو، اس کی کارگذاریوں پر ارباب دین و دانش چپ بیٹھے رہیں۔ حدیث ابی ذر کی رو سے اتنے صبر کا مطالبہ تو کیا جا سکتا ہے کہ تلوار نہ اٹھائی جائے لیکن یہ صبر بے جا صبر ہوگا کہ زبان اور قلم کو بھی حرکت سے روک رکھا جائے۔ یہ اندیشہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا کہ اگر سلطان بخیل کی روک ٹوک ہوتی تو وہ اور زیادتیاں کرے گا، حالانکہ اگر روک ٹوک نہ ہو تو مزید زیادتیوں کا امکان زیادہ ہے اور اگر تنقید و تکبیر اسے بھڑکائے بھی تو اس کا نتیجہ یہی ہوگا کہ سلطان ان حدود سے آگے نکل جائے جن کے اندر اس کے خلاف خروج کی اجازت نہیں ہے۔ اگر ایسا ہو جائے تو کچھ برا نہیں۔ انقلاب کا ایک ریلا از سر نو خالص خلافت راشدہ کو ابھار دے گا۔ (ن۔ص)

[1] اس روایت سے کوئی غلط فہمی نہ ہو۔ اس کا مدعا یہ نہیں ہے کہ اگر تم سے معصیت خالق کا مطالبہ کیا جائے تو بھی اپنے امرا کے غلام رہو۔ ہرگز نہیں۔ اس میں صرف یہ کہا جا رہا ہے کہ اگر امرا تمہارے حقوق تمہیں نہ دیں تو صبر کرو اور نظام جمع و طاعت کو برقرار رکھو، یعنی خروج و بغاوت سے اجتناب کرو۔ امرا کا بوجھ امرا کے سر اور تمہارا تمہارے سر۔ لیکن اگر حقوق اللہ ہی کو یہ لوگ پی جائیں تو پھر مسلمان کے لیے اطاعت کو برقرار رکھنا ممکن نہیں ہے۔ (ن۔ص)

© rasailojaraid.com

اب اگر دنیا کی بدقسمتی سے ایسے ہی لوگ مسند سلطنت پر متمکن ہو جائیں تو وہ داد ظلم و جور نہ دینگے تو کرینگے کیا؟ یہ ظالم خدا کے بندوں کو طرح طرح کے عذابوں میں مبتلا کرتے ہیں اور عزت داروں کو ذلیل و خوار کر کے چھوڑتے ہیں۔ غلطی ہوگا اگر انھیں بنی آدم کے بجائے بھیڑیے یا کٹ کھنے کتے سمجھا جائے۔ ان کے زہریلے ڈنک سے نہ مساکین بچتے ہیں، نہ عزت و اعتبار والے، نہ غریبوں کو ان سے پناہ ملتی ہے نہ امیران کے گزند سے محفوظ رہتے ہیں۔ ان کی ایذا رسانی ہوتی اس درجہ کی ہے کہ غریب اور بے بس مسلمان ان کی "اسلامی حکومت" سے کفار کی کافرانہ حکومت کو ہزار درجہ بہتر سمجھنے لگتے ہیں اور وہی ان کے نزدیک خدا کے بندوں کے لیے جائے امن قرار پاتی ہے۔ ایسی حالت میں ادھر رعایا سلطان ظالم سے رنجیدہ ہوتی ہے اور ادھر سلطان ظالم بھی اپنے رعایا سے بیزار رہتا ہے۔ بس یہ اس کی تباہی میں خوش، وہ اس کے زوال میں راضی۔ اس حالت کے متعلق نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

خیار ائمتکم الذین تحبونھم و تحبونکم و تصلون علیھم و یصلون علیکم و شرار ائمتکم الذین تبغضونھم و یبغضونکم و تلعنونھم و یلعنونکم

تمھارے امراء میں سے بھلے وہ ہیں کہ تم ان سے محبت کرو۔ وہ تم سے محبت کریں اور تم ان کے لیے دعائے رحمت کرو اور وہ تمھارے لیے دعائے رحمت کریں اور تمھارے امراء میں سے برے وہ ہیں کہ تم ان سے نفرت کرو اور وہ تم سے نفرت کریں اور تم ان پر لعنت کرو، وہ تم پر لعنت کریں۔

سلطانی مظالم جس طرح رفتہ رفتہ رعایا کی معاش کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں اسی طرح ان کے شجر ایمان کی جڑیں بھی کھود دیتے جاتے ہیں۔ آخر لوگ اقامت دین و ایمان کی فکر کیا کریں گے، جبکہ انھیں سلطان ظالم کے خوف سے ایک ساعت بھی مخلصی نہیں ہوتی۔ چنانچہ سلطنتِ ظالم کا قیام کسی مذہب باطل کے پھیل نکلنے کے مشابہ ہے جو ملت کے نظام اور سنت کے آئین و حدود کو توڑتا چلا جاتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:۔

انما اخاف علی امتی الاستسقاء بالانواء و حیف السلطان و التکذیب بالقدر

مجھے اپنی امت کے بارے میں صرف یہ خوف ہے کہ (۱) وہ نچھتروں سے بارش طلب کرے گی (۲) بادشاہ اس پر ظلم ڈھائیں گے (۳) اس میں قضاء و قدر کا انکار پیدا ہوگا۔

سلطانِ ظالم بعض وجوہ کے ماتحت اگر کسی گروہ سے رنجیدہ ہوتا ہے اور اس سے انتقام لینے پر تل جاتا ہے تو اس کے انتقام کی تلوار مطیع اور غیر مطیع اور گنہگار و بے گناہ میں ہرگز امتیاز نہیں کرتی بلکہ بے دریغ سروں کو کاٹتی چلی جاتی ہے اور ملکوں اور شہروں کو بے چراغ کر کے چھوڑتی ہے۔ حدیث میں وارد ہے کہ:۔

من خرج علی امتی بسیفہ یضرب برھا و فاجرھا و لا یتحاشی من مومنھا و لا یفی لذی عھد عھدہ فلیس منی و لست منہ

جس شخص نے اپنی تلوار لیکر میری امت پر حملہ کیا اور نیک و بد کو قتل کیا اور ان میں نیک و بد کی تمیز نہ کی اور امت کے سچے مومن کو قتل کرنے سے پرہیز کیا اور نہ کسی کے اپنے عہد کا پاس لحاظ رکھا اس کا نہ مجھ سے کوئی تعلق ہے اور نہ میرا اس سے۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ کسی گروہ کے متعلق سلطان ظالم کے دل میں آتش غضب بھڑکتی ہے لیکن حالات ایسے نہیں ہوتے کہ عملاً انتقام لیا جا سکے، اب لازماً اس کے سینے میں کینہ پرورش پاتا رہے گا اور وہ اس تاک میں رہے گا کہ اس کینہ کی بھڑاس نکالنے کا کب مناسب موقع پیدا ہوتا ہے۔ نبی صلعم سے روایت ہے۔

مامن والی یلی رعیتہ من المسلمین فیموت و ھو غاش لھم الا حرم اللہ علیہ الجنۃ

جو حکمران بھی اپنی مسلم رعایا پر غدر اور خیانت کے ساتھ حکومت کرتا ہوا مر گیا اس پر اللہ تعالیٰ نے جنت حرام کر دی ہے۔

(باقی)

© rasailojaraid.com